© rasailojaraid.com

قسط سوئم:

غیر سُودی بینکاری

فقہی تصور، ضرورت واہمیت، اہم مسائل کی تحقیق

رُفقاء دار الافتاء والارشاد

جامعۃ الرشید کراچی

مسئلہ الزام الوعد:

موجودہ حالات میں کاروباری مجبوریوں کے پیش نظر بسا اوقات معاملات کے ضمن میں جو وعدے ہوتے ہیں ان کو قانونی حیثیت دی جاتی ہے، کیونکہ اگر ان کو واعد کی صوابدید پر چھوڑا جائے تو کاروبار میں شدید حرج ہوتا ہے اور وعدہ خلافی موعود لہ کے بھاری مالی نقصان کا سبب بن سکتی ہے۔ ذیل میں فقہی قواعد واحکام کی روشنی میں وعدے کے الزام کا جائزہ لیں گے تاکہ معلوم ہو جائے شرعاً اس الزام کی کتنی گنجائش ہے۔

وعد اور مواعدہ میں فرق:

کتبِ لغت میں وعد کی تعریف یہ کی گئی ہے:

" الوعد: الاخبار عن فعل أمر في المستقبل " . (مقاييس اللغة : ۱۲۵/۶) .

اور مواعدہ کی تعریف ہے:

" الـمـواعـدة مـفاعلة من الوعد والعدة ، ولا تكون الا من طرفين ، فيكون معنا ها: أن يعد كل واحد صاحبه " . (حواله بالا والصاح : ۵۵۱/۲) .

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یعنی وعد یک طرفہ یقین دہانی ہوتی ہے اور مواعدہ دوطرفہ معاہدہ ہوتا ہے، اسی تناظر میں علامہ حطاب مالکی نے نکاح میں لکھا ہے:

" المواعدة أيعد كل منهما صاحبه بالتزويج فهى مفاعلة ولاتكون الا من النين ، فان وعد أحدهما دون الآخر فهى العدة " . (مواهب الجليل : ۳/۴۱۳) .

وعد کا دیانۃً لزوم:

اگر کوئی شخص دوسرے سے کسی چیز کا وعدہ کرے تو کیا اس پر وعدے کا ایفاء لازم ہے ؟۔ اس بارے میں فقہاءِ کرام کا اختلاف ہے ؟ ۔

(۱)...... جمہور فقہاء امام ابوحنیفہ، امام شافعی، امام احمد اور بعض مالکی فقہاء کا خیال ہے کہ ایک اچھا خلق ہے۔ اور وعدہ کو پورا کرنا چاہیے، وعدہ وفا نہ کرنا قابل مذمت فعل ہے لیکن وعدہ کو پورا کرنا واجب نہیں اور نہ ہی اس کو قضاءً لازم کیا جا سکتا ہے۔

(عمدة القاری: ۱۲/۱۲۱ ، الاشباه والنظائر ۲۷۷ ، الاذكار للنوعى ۲۸۲ ، فتح العلى المالك : ۱/ ۲۵۴) .

(۲)...... بہت سے فقہاء کا مذہب یہ ہے کہ وعدہ کو پورا کرنا واجب ہے اور وعدہ خلافی کرنا حرام ہے، یہ قول حضرت سمرہ بن جندب، عمر بن عبدالعزیز، حسن بصری، سعید بن الاشوع، اسحاق بن راہو یہ اور امام بخاری کی طرف منسوب ہے، بعض مالکیہ کا بھی یہی قول ہے، ابن العربی اور ابن الشاط نے بھی اسی کو ترجیح دی ہے، ایک قول حنابلہ کا بھی ہے اور امام غزالی اور ابن شبرمہ نے بھی اس کی تائید کی ہے۔

(الجامع لاحكام القرآن للقرطبى :۲۹/۱۸ ، حاشيه ابن الشاط على فروق القرافى : ۴/ ۲۴ ، احياء علوم الدين للغزالى :۳/۱۳۳ ، المحلى لابن حزم :۲۸/۸،فتح البارى: ۳۴۲/۵ .۳۴۳ وغيره).

ان حضرات نے قول وجوب کے لیے درج ذیل دلائل سے استدلال کیا ہے:

(۱)...... يايها الذين آمنو ا لم تقولون مالا تفعلون ۝ كبر مقتاً عند الله أن تقولوا مالا تفعلو ن ۝ .

(الصف : ۳،۲).

آیت کریمہ میں اپنے کہے پر عمل نہ کرنے کو اللہ تعالیٰ کے غضب اور ناراضگی کا سبب بتایا گیا ہے۔ اور یہ وعید صرف حرام

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور ناجائز کے ارتکاب پر ہی ہو سکتی ہے۔

(۲)...... حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

" آية المنافق ثلاث اذا حدث كذب واذا وعد أخلف واذا ؤتمن خان " .

(بخاري ومسلم)۔

(۳)...... حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما کی روایت:

" أربع من كن فيه كان منافقا خالصا ومن كانت فيه خصلة منهن كانت فيه خصلة من النفاق حتى يدعها : اذا حدث كذب واذا عاهد غدر واذا وعد أخلف واذا خاصم فجر " . (بخارى ، مسلم ، أحمد) .

(۴)...... امام بخاری رحمہ اللہ نے کتاب الشہادات میں باب قائم کیا ہے:

" باب من أمر بانجاز الوعد وفعله الحسن وذكر اسمعيل انه كان صادق الوعد . وقضى ابن الأشوع بالوعد ، وذكر ذلك عن سمرة بن جندب ، وقال المسوربن مخرمة سمعت النبى صلى الله عليه وسلم وذكر صهراً له قال: وعدنى فوفا نى . قال أبو عبدالله : روأيت اسحاق بن ابراهيم يحتج بحديث ابن الأشوع " . (صحيح البخارى : ۳٦٨/١).

حافظ حجر رحمہ اللہ تعالیٰ نے فتح الباری میں اس کی وضاحت کی ہے:

" وقال المهلب : انجاز الوعد مأمور به مندوب اليه عند الجميع وليس بفرض لا تفاقهم على أن الموعو د لا يضارب بما وعد به مع الغرماء . ونقل الاجماع فى ذلك مردود فان الخلاف مشهور لكن القائل به قليل . وقال ابن عبدالبر وابن العربى : أجل من قال به عمر بن عبدالعزيز . وعند بعض المالكية ان ارتبط الوعد بسبب وجب الوفاء به والا فلا، فمن قال لآخر تزوج ولك كذا فتزوج لذلك وجب الوفاء به . وخرج بعضهم الخلاف على أن الهبة هل تملك بالقبض أو قبله . وقرأت بخط أبى رحمه الله تعالىٰ فى اشكالات على الأذكار للنووى :ولم يذكر جواب عن الآية يعنى قوله تعالىٰ :

" كبر مقتاً عند الله أن تقولوا ما لا تفعلون "

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

” وحديث آية المنافق . قال: والدلالة للوجوب منها قوية فكيف حملوه على كراهة التنزيه مع الوعيد الشديد ؟ وينظر هل يمكن أن يقال : يحرم لاخلاف ولا يجب الوفاء أى يأثم بالاخلاف وان كان لايلزم بوفاء ذلك “ . (فتح البارى : ۵/ ۳۶۳) .

علامہ عینی نے لکھا ہے:

” وقضى ابن الاشوع بالوعد وذكر ذلك عن سمرة اى ذكر ابن الأشوع القضاء بانجاز الوعد عن سمرة بن جندب رضى الله تعالىٰ عنه . وقع ذلك فى تفسير اسحاق بن راهو يه “.

(عمدة القارى :۱۳/ ۲۵۸).

ان دلائل سے وعدہ کے ایفاء کا وجوب ثابت ہوتا ہے اور حافظ ابن حجر نے اخلاف الوعد کے مکروہ تنزیہی ہونے پر اشکال نقل کیا ہے کہ جب قرآن کریم میں اس پر اللہ کے غضب کی وعید آئی ہے تو یہ کراہت تنزیہی نہیں تحریمی ہے۔

اسی طرح حدیث شریف میں اخلاف الوعد کو منافق کی علامت قرار دیا گیا ہے۔

اسی کو مجمع الفقہ الاسلامی نے اختیار کیا ہے کہ یک طرفہ وعدہ واعد پر لازم اور واجب ہے دیانۃً ۔

التزام الوعد قضاءً:

۱)...... وعدہ کے قضاء التزام کے بارے میں فقہاء کے چار اقوال ہیں:

الف)...... وعد کا ایفاء لازم ہے اور اس پر بذریعہ عدالت بھی جبراً عمل کرایا جاسکتا ہے۔ یہ مالکیہ کا ایک قول ہے، عمر بن عبدالعزیز، قاضی سعید بن الاشوع کوفی اور ابن شبرمہ رحمہ اللہ تعالیٰ سے منقول ہے۔

اس قول کے دلائل وہی ہیں جن سے ایفاء وعد کا وجوب ثابت ہوتا ہے جن کی تفصیل ماقبل میں گزری۔ جب ایفاء وعد واجب ہے دیانۃً تو اس کو قضاء نافذ کرنے میں کوئی شرعی ممانعت نہیں ہے بلکہ اس میں امر دیانت کی تاکید وتقویت ہے، یعنی ان حضرات کے ہاں مذکورہ دلائل سے قضاء وجوب کے اثبات میں کوئی مانع نہیں۔

اس پر اشکال یہ ہے کہ مذکورہ دلائل سے صرف واعد پر ایفاء کا وجوب ثابت ہوتا ہے، قضاءً اس پر جبر کرنے کا تعلق حق موعود سے ہے اور وہ اس بناء پر ہوتا ہے کہ موعود کا کوئی حق ثابت ہورہا ہو تو قضاء اس کو دلایا جاتا ہے، مذکورہ دلائل میں موعود کے لیے کسی حق

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ثابت نہیں ہوتا۔

ب)...... دوسرا قول یہ ہے کہ وعدکا ایفاء قضاءً لازم نہیں قرار دیا جاسکتا، یہ مالکیہ کے ہاں ایک قول ہے اور شافعیہ، حنابلہ، ظاہریہ کا مذہب ہے۔

ج)...... حنفیہ کا مذہب یہ ہے کہ دوصورتوں میں وعدہ قضاءً لازم ہے، ایک یہ کہ وعد مجرد نہ ہو، بلکہ معلق علی الشرط ہو، چنانچہ درالحکام المادۃ ۸۴،۳/۷۷ پر اس کی تفصیل یہ لکھی ہے:

" المواعيد بصور التعليق تكون لازمة ، لانه يظهر فيها حينئذ معنى الالتزام والتعهد . يفهم من هذه المادة أنه اذا علق وعد على حصول شيء أو على عدم حصوله فثبوت المعلق عليه أى الشرط . كما في المادة : ٨٢ . يثبت المعلق أو ا، الموعود . مثال ذلك : لوقال رجل لأخر: بع هذا الشيء من فلان ، واذا لم يعطك ثمنه فأنا أعطيك اياه ، فلم يعطه المشترى الثمن لزم على الرجل أداء الثمن المذكور بناء على وعده

" أما اذا كان الوعد وعدا مجردا أى غير مقترن بصورة من صور التعليق فلا يكون لازما . مثال ذلك : لو باع شخص مالاً من آخر بثمن أو بغبن يسير ، وبعد أن تم البيع وعد المشترى البائع با قالته من البيع اذا ردله الثمن ، فلو أراد البائع استرداد المبيع ، وطلب من المشترى أخذ الثمن ، واقالته من البيع فلا يكون المشترى مجبرا على اقالة البيع بناء على ذلك الوعد ، لأنه وعد مجرد .... مستثنيات هذه القاعدة:قلنا : ان الوعد المجرد لايلزم الواعد بشيء ، ولكن يستثنىٰ من هذا الحكم مسئله واحدة ،وهي :لوباع شخص من آخربثمن دون ثمن المثل بكثير أى بغبن فاحش بيعامطلقا ،والمشترى أشهد بمحضر من الناس أن البائع اذا ردله الثمن يفسخ له البيع ،فيجب القيام بذالك الوعد من المشترى نفسه اذاكان على قيد الحياة أو من ورثته بعدوفاته،ويكون ذالك البيع بيع وفاه "

دوسری وجہ جس سے احناف کے ہاں وعدہ قضاءً بھی لازم ہوتا ہے وہ ہے حاجۃ الناس م، چنانچہ درمختار میں بیع الوفاء کی بحث میں لکھا ہے:

" ولوباعه على وجه الميعاد جاز ولزم الوفاء به ،لأن المواعيد قد تكون لازمة لحاجة الناس، وهو الصحيح كما في الكافي والخانية وأقره خسرو وههنا والمصنف في باب الاكراه ،وابن الملك

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

في باب الاقالة بزيادة " (الدر المختار : ۵/۲۷۷) .

بیع الوفاء کی اس صورت میں بیع کا عقد الگ ہوتا ہے اور اس کے بعد واپسی کا وعدہ ہوتا ہے اور یہ وعدہ قضاءً لازم ہے اور اس کے لزوم میں اختلاف نہیں، اس کے لزوم کی وجہ حاجۃ الناس ہے، کیونکہ بیع الوفاء کی گنجائش فقہاء نے لوگوں کو ربوا سے بچانے کے لئے دی ہے۔ علامہ شامی نے لکھا ہے:

" وبعض الفقهاء يسميه البيع الجائز، ولعلمه مبني على أنه بيع صحيح لحاجة التخلص من الربوا حتى يسوغ المشتري أكل ربحه " . (شامية : ۵/۲۷۶) .

د)...... مالکیہ کا مشہور اور راجح قول یہ ہے کہ عام حالات میں تو ایفاءِ عہد قضاءً واجب نہیں ہوتا، البتہ اگر وعدہ کرنے والے کے وعدے کی وجہ سے دوسرے شخص کو کوئی خرچہ برداشت کرنا پڑے یا وہ اس وعدے کی بنیاد پر کوئی بوجھ یا ذمہ داری قبول کرلے تو ایسے وعدے کا ایفاء ضروری ہے جس پر واعد کو عدالت کے ذریعے مجبور بھی کیا جاسکتا ہے۔

(الفروق للقرافي: ۲۵ / ، تحرير الكلام للحطاب : ۱۵۵ ، ۱۵۶).

مالکیہ کے اس قول کی بنیاد حدیث: " **لاضرور ولا ضرار** " پر ہے، نیز فقہی قاعدہ الضرر یزال بھی اس کی تائید کرتا ہے۔

مثال: اگر کوئی شخص دوسرے سے کہے کہ اپنی خستہ دیوار گراؤ، دوبارہ تعمیر کے لیے میں تجھے قرضہ دوں گا یا کہا کہ نکاح کرو، مہر میں تجھے ہبہ کردوں گا، چنانچہ اگر وہ شخص اس وعدے کی بنیاد پر دیوار ڈھادے یا نکاح کرے تو واعد کو قضاءً اپنے وعدے کے ایفاء پر مجبور کیا جائے گا۔ (تحریر الکلام للحطاب: ۱۵۶)۔

وعد فی المعارضات:

التزام الوعد کی ساری بحث کا اصل محرک یہ ہے کہ مرابحہ وغیرہ میں اثاثہ کا مطالبہ کرنے والا اگر بینک کی خریداری کے بعد سامان خریدنے سے انکار کردے تو اس سے بینک کو نقصان ہوتا ہے، کیونکہ عموماً اس شیء کا دوسرا خریدار آسانی سے نہیں مل سکتا، اس مشکل کے حل کے لیے التزام الوعد کا طریقہ اختیار کیا گیا ہے۔

بعض عرب علماء کا خیال ہے کہ مالکیہ کے ہاں جس وعد کا قضاءً التزام ثابت ہے وہ محض تبرعات کا یک طرفہ وعد ہے، دوطرفہ مطالبات اور معاوضات کا مواعدہ اس میں شامل نہیں، لہذا التزام الوعد قضاءً کو مالکیہ کے مذکورہ مسئلہ سے ثابت نہیں کیا جاسکتا، بلکہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دوطرفہ مواعدہ مالکیہ کے ہاں عقد کے حکم میں ہے اوراس کی شرائط عقد کی شرائط ہیں، چنانچہ امام مالک نے عدت میں نکاح کے مواعدہ کرنے، طعام پر قبضہ سے پہلے اس کی بیع کا مواعدہ کرنے، نداء جمعہ کے وقت بیع کا وعدہ کرنے اور غیر موجود شیء کی بیع کا وعدہ کرنے کو منع کیا ہے، کیونکہ یہ عقود ایسے ہیں جن کا وقوع فی الحال نہیں ہوسکتا تو ان کا مواعدہ بھی صحیح نہیں، معلوم ہوا کہ طرفین سے معاوضات کا وعدہ مالکیہ کے ہاں بحکم عقد ہے اور مالکیہ کے ہاں جس وعدکا الزام ثابت ہے وہ محض تبرعات کا یک طرفہ وعدہ ہے۔

مگر یہ بات مطلقاً صحیح نہیں کیونکہ فقہاءِ حنفیہ اور مالکیہ نے بیع الوفاء میں دوطرفہ مواعدہ کو قضاءً لازم قرار دیا ہے جودوطرفہ معاملہ ہے۔

تاہم اتنی بات تو بہرحال ہے کہ فقہاءِ حنفیہ اور مالکیہ کے ہاں بعض صورتوں میں یک طرفہ وعدہ کا قضاءً الزام ثابت ہے اور اس کی تفصیل ماقبل میں مذکور ہوئی۔

اس بنیاد پر مجمع الفقہ الاسلامی نے تجارتی معاملات میں وعدوں کو درج ذیل شرائط کے ساتھ لازم قرار دیا ہے:

۱)...... وعدہ یک طرفہ ہو۔

۲)...... اس وعدہ کی وجہ سے دوسرے شخص (موعودلہ) نے کوئی ذمہ داری اٹھائی ہو۔

۳)...... اگر وعدہ کسی چیز کی خرید وفروخت کا ہے تو یہ ضروری ہے کہ طے شدہ وقت پر ایجاب وقبول کے ذریعے عملاً بیع کی جائے، بذاتِ خود وعدے کو بیع نہیں سمجھا جائے گا۔

۴)...... اگر وعدہ کرنے والا اپنے وعدے کو پورا نہیں کرتا تو عدالت اس کو مجبور کرے گی کہ یا تو وہ چیز خرید کر اپنا وعدہ پورا کرے یا وہ بائع کو حقیقی نقصان کی ادائیگی کرے۔ اس نقصان میں وہ حقیقی مالی نقصان شامل ہوگا جو عملاً اسے ہوا ہے، متوقع اور ممکنہ نفع کو اس میں شامل نہیں کیا جائے گا۔

ہماری تحقیق اور معلومات کے مطابق غیر سودی بینکوں میں مذکورہ بالا شرائط وکوائف کی رعایت کی جاتی ہے۔ اس لیے جس دائرے علماء کرام نے وعدہ کے الزام کی تجویز دی ہے، اس پر کوئی شرعی اشکال نہیں رہتا۔

مسئلہ التزام تصدق:

یہ مسئلہ اگرچہ نوعیت کے حوالے سے الزام الوعد کے ذیل میں آتا ہے لیکن اس کی بنیاد بعض فقہاءِ مالکیہ کے قول پر ہے اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس کا اصل تعلق یمین اور نذر سے ہے جو فقہاءِ مالکیہ میں سے عبداللہ بن نافع اور محمد بن ابراہیم بن دینار کے ہاں قضاءً نافذ ہوتے ہیں۔

علامہ حطاب نے لکھا ہے:

" أما اذا التزم المدعى عليه للمدعى أنه ان لم يوفه حقه في وقت كذا وكذا فله عليه كذا وكذا ، فهذا لا يختلف في بطلانه ، لأنه صريح الربوا...... وأما اذا التزام أنه ان لم يوفه حقه في وقت كذا فعليه كذا الفلان ، أو صدقة للمساكين ، فهذا هو محل الخلاف المعقود له هذا الباب ، فالمشهور أنه لايقضى به كما تقدم ، وقال ابن دينار : يقضى به " . (تحرير الكلام للحطاب : ص : ١٨٦) .

مالی معاملات میں درپیش مشکلات کے لیے التزام بالتصدیق کو اختیار کرنا مذہب غیر یا قولِ مرجوح پر حاجۃ الناس کی وجہ سے فتویٰ کے زمرے میں آتا ہے، اگر درپیش مشکلات کو حاجت عامہ کا درجہ حاصل ہو (کاروباری ماحول سے واقف لوگوں کے لیے اس کا انکار مشکل ہے) تو شروع میں ذکر کردہ فقہاء کے اصول کی روشنی میں اس کی گنجائش ہے، نیز تصدیق کے اس التزام میں قواعد شرع کی مخالفت بھی نہیں، کیونکہ یہ التزام اگر حفظ حقوق کے لیے اپنے اوپر کرتا ہے تو اس کو قضاءً لازم قرار دینا خود اس کے مفاد میں ہے تاکہ وہ دوسروں کی حق تلفی سے بچ جائے، کیونکہ جیسے کسی کے لیے اپنے حق کی وصولی ایک مجبوری ہے تو دوسرے کے حقوق کی ادائیگی بھی ایک مسلمان کی شرعی اور عقلی مجبوری ہے۔ یہی مقصد قسم سے حاصل ہوتا ہے، خلاصہ یہ کہ نذر و یمین کا ایک مقصد منع عن فعل یا حمل علی فعل ہے۔ یہ مقصد دیانۃً التزام میں بھی پورا ہوتا ہے لیکن قضاءً التزام میں اس سے زیادہ پورا ہوتا ہے۔ اس وجہ سے اس تجویز کو مجلس تحقیق مسائل حاضرہ کراچی نے قبول کیا تھا۔ (احسن الفتاویٰ: ۷/۱۲۱)۔ نیز مجمع الفقہ الاسلامی نے بھی اس کی اجازت دی ہے ۔

حیلہ کی تعریف، اقسام اور شرعی احکام:

بلاسود بینکاری کی تشکیل میں کچھ عقود کی اختیار کردہ صورتیں معمول سے ذرا مختلف نظر آتی ہیں، بعض حضرات اس کو حیلہ بازی کہہ کر ناجائز اور حرام قرار دیتے ہیں، اس لیے حیلہ کے مفہوم، احکام اور دائرہ کار کی وضاحت مناسب معلوم ہوتی ہے تاکہ یہ واضح ہو سکے کہ کونسے معاملات حیلوں کے زمرے میں آتے ہیں اور کونسے نہیں؟ اور جو معاملات حیلہ کی تعریف میں شامل ہوں تو ان کا حکم کیا ہوگا؟

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حیلہ کا مفہوم:

فقہاءِ کرام کی اصطلاح میں حیلہ اس مخصوص عمل کو کہتے ہیں جس کے ذریعہ فاعل (حیلہ کرنے والا) معروف راستہ کو چھوڑ کر غیر معروف راستہ اختیار کر لیتا ہے، پھر عرف میں حیلہ کا غالب استعمال اس معنی میں ہوا کہ حیلہ ایسے مخفی راستوں پر چلنے کو کہتے ہیں کہ جن کے ذریعہ حصول غرض تک رسائی ہو جائے اور وہ راستے ایسے گہرے اور مخفی ہوں کہ ایک خاص قسم کی مہارت اور بصیرت کے بغیر ان کا ادراک نہ ہو سکے۔

" أما فی الاصطلاح فیستعمل الفقهاء الحیلة بمعنی أخص من معناها فی اللغة، فهی نوع مخصوص من العمل الذی یتحول به فاعله من حال الی حال، ثم غلب استعمالها عرفا فی سلوک الطرق الخفیة التی یتوصل به الی حصول الغرض، بحیث لا یتفطن لها الا بنوع من الذکاء والفطنة "

(اعلام الموقعین عن رب العالمین: ۳/ ۲۰۵)

حیلہ کی اقسام اور ان کا شرعی حکم:

فقہائے احناف رحمہم اللہ تعالیٰ نہ تو حیلوں کو علی الاطلاق جائز کہتے ہیں اور نہ ہی مطلقاً عدم جواز کے قائل ہیں بلکہ ان کے نزدیک حیلہ کی بنیادی طور پر دو قسمیں ہیں:

۱)...... ایسا حیلہ جو کسی کا حق باطل کرنے کے لیے یا اس میں شبہ ڈالنے کے لیے یا باطل کی ملمع سازی کر کے اس کو حق ظاہر کرنے کے لیے کیا جائے، ایسا حیلہ شرعاً مکروہ تحریمی اور گناہ ہے۔

۲)...... ایسا حیلہ جو حرام سے بچنے کے لیے یا حلال کو حاصل کرنے کے لیے اختیار کیا جائے، اس قسم کا حیلہ بلاشبہ جائز بلکہ مستحسن ومطلوب ہے، اس میں کوئی قباحت نہیں۔

حیلہ کی یہ دوسری قسم بعض صورتوں میں واجب اور بعض میں مستحب ہوتی ہے، جیسا کہ عبارات ذیل سے ظاہر ہے:

۱۔ قال ابن نجیم رحمه الله تعالیٰ: وانما هو الهرب من الحرام، والتخلص منه حسن. قال الله تعالیٰ (وخذ بیدک ضغثاً فاضرب به ولا تحنث) وذکر فی الخبر أن رجلا اشتری صاعا من تمر بصاعین، فقال صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: أربیت، هلا بعت تمرک بالسلعة ثم ابتعت بسلعتک تمراً! وهذا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

كله اذا لم يؤد الى الضرر بأحد انتهى .

قال الشيخ الحموى رحمه الله تعالىٰ: قوله :

" وانما هوالهرب من الحرام والتخلص منه حسن "

قال فى التاتارخانية: مذهب علمائنا أن كل حيلة يحتال بها الرجل لابطال حق الغير أولا دخال شبهة فيه ، فهى مكروهة يعنى تحريما ، وفى العيون وجامع الفتاوىٰ : لا يسعه ذلك ، وكل حيلة يحتال بها الرجل ليتخلص بها عن حرام ، أو ليتوصل بها الى حلال فهى حسنة ، وهو معنى ما نقل عن الشعبى : لابأس بالحيلة فيما يحل ، قوله : قال الله تعالىٰ : " وخذ بيدك ضغثافا ضرب به ولا تحنث " .

هـذا تعليم المخلص لأيوب عليه السلام عن يمينه الى أن قال: وقد تعلق محمد بهذه الآية فى مسائل الحيل ، والخصاف لم يتعلق بها فى حيلة ، قيل : لأن حكمها منسوخ ، وعامة المشايخ على أنه ليس بمنسوخ الى أن قال: وعن ابن عباس رضى الله تعالىٰ عنهما أنه قال:

وقعت وحشة بين هاجرو سارة، فحلفت سارة ان ظفرت بها قطعت عضوا منها ، فأرسل الله تعالىٰ جبرائيل عليه السلام الى ابراهيم عليه السلام أن يصلح بينهما ، فقالت سارة :

ما حيلة يمينى ؟ فأوحى الله تعالىٰ الى ابراهيم أن يأمر سارة أ يثقب أذنى هاجر ، فمن ثم ثقوب الآذان كذا فى التاتار خانية " . (الأشباه والنظائر : ٢/ ٢٩١).

٢. قال العلامة ظفر أحمد العثمانى رحمه الله تعالىٰ:

والحاصل أن الحيلة ترك لطريق فيه مفسدة الى مطلوب مباح، واختيار لطريق لامفسده فيه ، وهذا مما لاشناعة فيه شرعا ولا عقلا ، ولا عقلا ، ولو كان فى الحيلة مفسدة فى صورة خاصته يحكم بعدم جوازها بخصوصها ، لا بعدم جواز مطلق الحيلته (اعلاء السنن : ١٨/ ٤٢٣)

٣. قال السرخسى رحمه الله تعالى : فالحاصل ان ما يتخلص به الرجل من الحرام او يتوصل به الى الحلال من الحيل فهوحسن ، وانما يكره ذلك ان يحتال فيى حق حتى يدخل فيه شبهته ، فما كان على هذا السبيل فهو مكروه ، وما كان على السبيل الذايى قلنا اولا فلا باس به ، لان الله تعالى

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قال (وتعاونوا على البر والتقوى ولا تعاونوا على الاثم والعدوان ، وفي النوع الاول الثاني معنى التعاون على البر والتقوى وفي النوع الثاني معنى التعاون على الاثم والعدوان . (المبسوط : ٣٠ / ٢٠١ طبع بيروت) .

٣. قال العلامة الشيخ أنور الشاه الكشميرى رحمه الله تعالىٰ : قال الحافظ : ونقل أبو حفص الكبير ، وارى كتاب الحيل ، عن محمد بن الحسن أن محمداً قال : ما احتال به المسلم حتى يتخلص به من الحرام أو يتوصل به الى الحلال ، فلا بأس به ، من الحرام أو يتوصل به الى الاحلال ، فلا بأس به ، وما احتال به حتى يبطل حقا أو يحق باطلا ، أو ليد خل به شبهة في حق فهو مكروه ، والمكروه عنده الى الحرام أقرب اه .

قال العلامة بدر عالم الميرتهى رحمه الله تعالىٰ : قال الحافظ : وهي . أي الحيل . عند العلماء على أقسام ، بحسب الحامل عليها ، فان توصل بها بطريق مباح الى ابطال حق، أو اثبات باطل فهو حرام ، أو الى اثبات حق أو رفع باطل ، فهي واجبة أو مستحبة ، وان توصل بها بطريق مباح الى سلامة من وقوع في مكروه ، فهي مستحبةأمباحته ، او الى ترك مندوب فهيي مكروهته ، ووقع الخلاف بين الأئمته فيي القسم الأول ، هل يصح مطلقاً ، ينفذ ظاهراً ، أو باطناً ، او يبطل مطلقاً او يصح مع الاثم ، ولمن أجازها مطلقاً ،او ابطلها مطلقاً ادلته كثيرته فمن الاول قوله تعالىٰ:

(وخذ بيدك ضغثاً فاضرب به ولا تحنث) .

وقد عمل به صلى الله عليه وسلم فيي حق الضعيف الذى زنى ، وهو من حديث أبيي أمامه بن سهل فيي السنن الى وقوله : قال صاحب المحيط : أصل الحيل قوله تعالى :(وخذ بيدك ضغثاً)الايته ، وضابطها ان كانت للفدرار من الحرام ، والتباعد من الاثم فخسن وان كانت لابطال حق مسلم ، فلا بل هي اثم وعدوان اه قلت :وفيي هذ العبارته فوائد تزرى الجمان ، عليك بالتامل فيها ، وانما لم أبسطها مخافته الاطناب ،ومن اهمها ان نسبته الحيل انما اشتهرت الى الحنفيته لكون ابيي يوسف دون فيها كتاباً وانا قيدها بما اذا كانت لاحياء حق ،وان من الحيل ما هيي واجبته ومستحبته ، وانها ليست مكروهته على الاطلاق ، وان نفسها ثابتته من الكتاب ولسنته ، وان الخلاف فيي النفاذ، مع الاتفاق على القول بعدم الجواز ، الي غير ذلك ، والله اعلم ، (فيض الباري ٣/٢٨٠) .

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۵. وفی الھندیۃ :فنقول مذھب علمائنا رحمھم اللہ تعالی ان کل حیلۃ یحتال بھا الرجل الابطال حق الغیر او لادخال شبھۃ فیہ او لتمویہ باطل فھی مکروھۃ ، وکل حیلۃ یحتال بھا لارجل لیتخلص بھا عن حرام اولیتوصل بھا الی حلال فھی حسنۃ ، والاصل فی جواز ھذا النوع من الحیل قول اللہ تعالی : (وخذ بیدک ضغثا فاضرب بہ و لا تحنث)وھذا تعلیم المخرج لایوب النبی علیہ وعلی نبینا الصلاۃ وسلام عن یمینہ التی حلف : لیضربن امراتہ عود ، عامۃ المشایخ علی ان حکمھا لیس بمنسوخ ، و ھو الصحیح من المذھب کذا فی الذخیرۃ .

(عالمکیریۃ :۶/۳۹۰وکذا فی کتاب الحیل للخصاف :ص ۴) .

عبارت بالا سے درج ذیل امور مستفاد ہوئے:

۱۔ حیلہ جائز بھی ہوتا ہے اور ناجائز بھی۔

۲۔ جائز حیلوں کا ثبوت قرآن کریم اور حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں ہے۔

۳۔ حرام سے بچنے کے لئے جائز متبادل راستہ اختیار کرنا شرعاً وعقلاً مستحسن ہے۔

۴۔ ابطال حق اور اضرار پر مشتمل حیلہ جائز نہیں۔

لہٰذا محض حیلہ کا نام دیکھ کر کسی چیز کو ناجائز اور حرام نہیں کہا جا سکتا اور نہ ہی ہر حیلہ کے مطلقاً جواز کا قول اختیار کیا جا سکتا ہے۔ غیر سودی بینکاری نظام کے بارے میں بعض حضرات نے یہ لکھا ہے کہ یہ چونکہ بعض حیلوں پر مشتمل ہے اس لیے ناجائز ہے، یہ بات فقہ وشریعت کے قواعد واحکام کی رو سے صحیح نہیں، البتہ اگر ان امور کا حیلہ ہونے کے بعد ناجائز ہونا الگ سے ثابت کیا جاتا تو بات صحیح نہیں تھی، لیکن حقیقت یہ ہے کہ بعض معاملات مثلاً مرابحہ وغیرہ کو حیلہ کہا گیا ہے ایک تو وہ حیلہ کی تعریف میں ہی نہیں آتے، دوسرا یہ کہ اگر بالفرض ان کو حیلہ بھی تسلیم کریں تو محض حیلہ ہونا عدم جواز کے لیے کافی نہیں۔

کسی جائز حیلہ کو دائمی نظام بنانے کا حکم:

حیلہ کی ضرورت اسی وقت پیش آتی ہے جب کسی جائز مقصد تک پہنچنے کے لیے شریعت کا بتایا ہوا عام معروف طریقہ اختیار کرنا عملاً مشکل ہو جائے، ورنہ معروف حکم کو چھوڑ کر حیلہ اختیار کرنا نہ صرف نقل بلکہ عقل کے بھی خلاف ہے، اس لیے عام حالات میں تو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شریعت مطہرہ کے احکام پر عمل کرنے کے لئے معروف راستہ ہی اختیار کرنے کا حکم ہے۔ مگر جب کسی نیک مقصد کا حصول (حصول حق یا حرام سے بچنا) اس معروف راستہ سے عملاً مشکل ہو جائے تو بلاشبہہ پھر شرعی حدود کے اندار رہتے ہوئے متبادل راستہ اختیار کرنے کی شریعت نے کوئی تفصیل وتقیید نہیں کی کہ اس طرح کے مشکل وقت میں انفرادی طور پر تو متبادل اختیار کیا جاسکتا ہے، لیکن اجتماعی طور پر یعنی بطور حصہء نظام متبادل راستہ اختیار کرنا جائز نہیں، کیونکہ اگر حیلہ کی ضرورت نہیں تو ایک مرتبہ بھی اجازت نہیں اور اگر ضرورت کے تحقق وعدم تحقق پر ہے، دائمی اور عارضی ہونے پر نہیں، لہٰذا معاشرہ کی اجتماع ضرورت کے پیش نظر عامتہ الناس کو سود جیسی لعنتوں سے بچانے کے لیے کسی جائز حیلہ کا سہارا لینے کی بلاشبہہ گنجائش ہوگی، خواہ یہ حیلہ طویل عرصہ کے لیے ہی اختیار کرنا پڑے اور بظاہر نظام کا حصہ معلوم ہو۔

علامہ شمس الدین سرخسی رحمہ اللہ تعالی اپنی کتاب المبسوط میں فرماتے ہیں کہ جمہور علماء کے نزدیک حیلہ اختیار کرنا جائز ہے، البتہ بعض متعسفین نے اس کو ناپسند کیا ہے جو ان کی جہالت اور قلت تأمل پر مبنی ہے۔

جوازِ حیلہ پر اس آیت: " وخذ بیدک ضغثا فاضرب بہ ولا تحنث " .

سے استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس آیت میں حضرت ایوب علیہ السلام کو ان کی اس قسم سے نکلنے کا راستہ (حیلہ) بتایا گیا ہے جو انہوں نے اپنی بیوی کو سو لاٹھیاں مارنے کے بارہ میں اُٹھائی تھی، نیز حیلہ کے جواز پر قرآن وحدیث سے بعض دیگر نظائر بھی پیش فرمائے ہیں۔

" قال السرخسی رحمه الله : فان الحیل فی الأحکام المخرجة من الا مام جائزة عنده جمهور العلماء ، وانما کره ذلک بعض المتعسفین لجهلهم وقلة تاملهم فی الکتاب والسنة الی أن قال : فمن کره الحیل فی الأحکام ، فانما یکره فی الحقیقة أحکام الشرع ، وانما یقع مثل هذه الأشیاء من قلة التأمل " . (کتاب المبسوط : ۳۰ / ۲۰۹) .

معاملات میں جائز حیلوں کے نظائر:

حضرت ابو ہریرۃ اور ابو سعید خدری رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو خیبر پر عامل بنایا تو وہ آپ علیہ السلام کے پاس ایک خاص قسم کی کھجور لے کر آیا، آپ علیہ السلام نے اس سے دریافت فرمایا کہ کیا خیبر کی ساری کھجوریں اسی طرح ہوتی ہیں؟ تو اس نے جواب دیا کہ ہم اس قسم کی ایک صاع کھجور دو صاع (کم درجہ کی کھجور کے) بدلے میں اور دو صاع تین

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

صاع کے بدلے میں لیتے ہیں۔اس پر آپ علیہ السلام نے فرمایا:

" لا تفعل ، بع الجمع بالدراهم ، ثم ابتع بالدراهم جنيباً "

یعنی اس طرح معاملہ نہ کرو، بلکہ پہلے جمع یعنی گھٹیا کھجوروں کو دراہم کے عوض بیچ دو، پھران دراہم کے عوض جنیب خریدلو۔

حضرت علامہ ظفراحمد عثمانی رحمہ اللہ تعالیٰ " اعلاء السنن " میں فرماتے ہیں کہ اس کا حاصل یہ ہے کہ اس شخص نے ایک صاحب تمر جنیب دوصاع جمع کے بدلے میں خریدی، یہ سود تھا، اگر چہ اس کا مقصود سود نہیں تھا۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایسی صورت کی طرف اس کی رہنمائی فرمائی جو مال کے حصول میں تو پہلی صورت کے بالکل مساوی ہے، اس لیے کہ پہلی صورت میں بھی اس کا مقصد دوصاع جمع کے بدلے میں ایک صاع جنیب حاصل کرنا تھا، مگر وہ طریقہ سود پر مشتمل تھا، جبکہ دوسری صورت میں اس کو یہی مقصود سود کے ارتکاب کے بغیر حاصل ہوگیا، اس کے بعد حضرت فرماتے ہیں کہ یہ تفصیل اس پر دال ہے کہ حرام سے بچنے کے لیے حیلہ اختیار کرنا جائز ہے اور اس میں کسی قسم کی کوئی شناعت نہیں۔

" بل هو مطلوب ، كما لا يخفى "

اس میں نکتہ کی بات یہ ہے کہ یہاں مقصود میں کوئی فساد نہیں، بلکہ فساد صرف اس مخصوص صورت اور طریق کار میں تھا جس کے ذریعہ مقصود کو حاصل کیا جارہا تھا، لیکن جب فساد پر مشتمل صورت اور طریق کار کو تبدیل کر دیا گیا تو فساد باقی نہ رہا، نتیجتہً حرمت کا وہ حکم جو اس مخصوص فساد والی صورت پر مبنی تھا وہ بھی باقی نہ رہا۔

مزید وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ فی نفسہ ایک صاع جنیب دوصاع جمع کے بدلہ میں حاصل کرنا قبیح نہیں، کیونکہ بیع وشراء کی وضع ہی جانبین سے نفع حاصل کرنے کے لیے ہوئی ہے، ورنہ تو بیع وشراء ہر طریقہ سے حرام ہوگی، اس لیے کہا جائے گا کہ حرمت اس خاص طریقہ یعنی " بيع الجمع بالجنيب " میں پائی جاتی ہے، اس لیے کہ اس میں خالی عن العوض زیادتی پائی جاتی ہے، (کیونکہ ایک جنس کی اشیاء کے آپس میں تبادلہ کی صورت میں وصف کا فرق شرعاً غیر معتبر ہے) لیکن جب ہم اس صورت کو بدل دیں گے اور جمع کو دراہم کے عوض بیچ کر پھر جنیب کو دراہم کے ساتھ خرید لیں گے تو یہ خالی عن العوض زیادتی کا فساد باقی نہ رہے گا، آگے فرماتے ہیں:

" وليس فيه ابطال لحكمة تشريع حرمة الربا ، لأن فيه ابطالاً لنفس الربا فيكف يكون فيه ابطال لحكمة تشريع حرمة الربا "

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آگے ایک اشکال کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

" فان قیل : انه یعجز أحد ممن یرید أخذ الربا عن مثل هذه الحیلة ، قلنا : ان لم یعجز فأن ضرر فیه ؟

الا تری أن من أراد الاستمتاع من المرأة بالزنا لا یعجز أن یستمتع ههنا بالتزوج ، أفیکون فی تشریع التزوج ابطالا لحکمة تشریع حرمة الزنا ؟ کلا ، واذ لیس الأمر کذلک فکیف یکون تشریع الطریق الی التخلص من الربا ابطالا لحکمة تشریع حرمة الربا ؟ فدل ذلک علی أن الاحتیال للتخلص من الربا وغیره من المعاصی بطریق مشروع مع اتحاد المقصود جائز ومطلوب شرعا، نعم ان کان فی الطریق الذی اختاره المحتال مفسدة أخری یحکم علیه بمقتضاه أیا ما کان ، ولکنه لا یبطل جواز نفس الحیلة "

(اعلاء السنن : ١٨ / ٤٢٣) .

فتاویٰ تنقیح الحامدیۃ میں ہے کہ ایک شخص کا دوسرے کے ذمہ دس درہم دین تھا، اب وہ چاہتا ہے کہ ایک اجل یعنی مدت مقررہ تک مہلت دے کر وہ دس کی بجائے ١٣ درہم وصول کرلے تو اس کے لیے فقہاءِ کرام نے یہ حیلہ بتایا ہے کہ وہ مدیون سے کوئی چیز ان دس درہم کے عوض خرید لے اور مبیع پر قبضہ کرلے پھر اس چیز کو ١٣ درہم کے عوض ایک سال کی مدت تک مہلت کے ساتھ مدیون کے ہاتھ (بطورِ مرابحہ مؤجلہ) بیچ دے تو اس طرح حرام سے بچ جائے گا۔ کیونکہ یہ " **شراء ما باع بأکثر مما باع بعد نقد الثمن** " ہے ،جس میں کوئی فساد نہیں) یہاں بھی صرف طریق کار کو دیکھا جارہا ہے۔

اسی طرح فتاویٰ تنقیح الحامدیۃ میں یہ بھی مذکور ہے کہ اگر کوئی شخص دس درہم کسی کو قرض دینے کے بعد اس طریقہ (مرابحہ مؤجلہ) سے بارہ یا تیرہ درہم وصول کرنا چاہتا ہے جبکہ امر سلطانی یہ ہے کہ مرابحہ کے طور پر دس درہم پر ساڑھے دس سے زیادہ نہیں دیا جائے گا، مگر وہ اس کے باوجود امر سلطانی کی مخالفت کرتے ہوئے بارہ یا تیرہ درہم وصول کرتا ہے تو اس کو امر سلطانی کی مخالفت کی وجہ سے تو تعزیر ہوگی اور اس کو توبہ کرنے اور اصلاح کرنے تک قید بھی کیا جائے گا، مگر بیع فاسد نہیں ہوگی، اس لیے کہ مثال کے طور پر کوئی آدمی کسی کو اگر سو درہم قرض دیتا ہے اور پھر مقرض کو کوئی سامان ٢٠ درہم کے عوض فروخت کردیتا ہے تو بیع صحیح ہوگی، اگرچہ وہ سامان ایک درہم کے برابر ہی کیوں نہ ہو۔ اس لیے اس صورت میں بھی نہی سلطانی فسادِ عقد کا تقاضا نہیں کرے گی، جیسا کہ جمعہ کے دن بعد النداء عقد بیع صحیح ہوجاتا ہے، باوجود نہی الٰہی کے موجود ہونے کے، اگرچہ عاقد گناہگار ہوگا۔ (کیونکہ نہی سے منہی عنہ کا صرف جواز ختم ہوتا ہے۔ جس کی وجہ سے مرتکب گناہگار ہوتا ہے، لیکن صحت اور مشروعیت ختم نہیں ہوتی کالطلاق فی الحیض)۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

" قال ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: رجل له على رجل عشرة دراهم فأراد أن يجعلها ثلاثة عشر الى أجل قالوا : يشترى من المديون شيئا بتلك العشرة ويقبض المبيع ثم يبيعه من المديون بثلاثة عشر الى سنة ، فيقع التحرز عن الحرام ، قا ضيخان من فصل فيما يكون فرار عن الربا من كتاب البيع ، وفيه حيل أخرى فراجعها (أقول) مقتضاه أنه يصح أ ن يحتال لجعل العشرة ثلاثة عشر. وفى الدر المختار فى أخر باب القرض مانصه قلت : وفى معروضات المفتى أبى السعود : ولو أ دان زيد العشرة باثنى عشر أو بثلا ثة عشر بطريق المعاملة فى زماننا بعد أن وردالأمر السلطا نى وفتوىٰ شيخ الاسلام بان لا تعطى العشر أو بثلا ثة عشر بطريق المعاملة فى زماننا بعد أن وردالأمر السلطانى وفتوىٰ شيخ الاسلام بان لا تعطى العشرة بأ زيد من عشرة ونصف ، نبه على ذلك فلم يمتثل ، ما ذا يلزمه ؟ فأجاب : يعزر ويحبس الى أن تظهر توبته وصلاحه فيترك الى قوله: فانما يحبس المخالف ويعزر لمخالفته الأمر السلطانى ، لا لفساد المبايعة ، فانه لو أقرض مائة درهم مثلا وباع من المستقرض سلعة بعشرين درهما بعقد شرعى صح البيع وان كانت تلك السلعة تساوى درهما واحداً ، لأن النهى السلطانى لا يقتضى فساد العقد المذكور ، ألا ترى أن يصح عقد البيع بعد النداء فى يوم الجمعة مع ورود النهى الا لهٰى ، وان أثم ، وما ذالك الا لأن النهى لا يقتضى الفساد، كا لصلاة فى الأرض المغصوبة تصح مع الا ثم كما تقرر فى كتب الأصول . (فتاوىٰ تنقيح المحامدية : ٢/ ٢٣٥) .

وقال فى ردالمحتار : (قوله يعزر) لأن طاعة أمر السطان بمباح واجبة (قوله ماأخذه من الربح) أى زائدا عما ورد به الأمر . ط (قوله ان حصله منه بالتراضى الخ) مفهومه : أنه لو أخذه بلا رضاه أنه يثبت له الرجوع بالزا ئد عما ورد به الأمر ، وهو غير ظاهر ، لأنه اذا أقرضه مائة وباعه سلعة بثلا ثين مثلا بيعا مستوفيا شرائط الشرعية لم يكن فيه الا مخا لفته الأمر السلطانى ، لأن مقتضى الأمر الأول أن يبيع السلعة بخمسة فقط ، لتكون العشرة بعشرة ونصف ومقتضى الأمر الثانى أن يبيعها بخمسة عشر ، لتكون العشرة بأحد عشرة ونصف ، ولا يخفى أن مخالفة الأمر لا تقتضى فساد البيع ، لأن ذلك لا يزيد على مخالفة أمر الله تعالىٰ بالسعى وترك البيع وقت النداء ، فاذا باع وترك السعى يكره البيع ، ولا يفسد ، فكذا هنا بالأولى ، على أنه اذا فسد البيع وجب الفسخ ورد جميع الثمن ، واذا صح وجب جميع الثمن ، فلا وجه لرد الزائد وأخذ ما ورد به الأمر فقط ، سواء قلنا بصحة البيع أو فساده فتعين أن هذا المفهوم غير مراد فتأمل .

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(قوله لكن يظهر الخ) لا وجه للاستدراك بعد ورود الأمر الواجب الاتباع بعدم الرجوع . ط. وقد يجاب بأن المراد أن المناسب أن يرد الأمر السلطاني بالرجوع : أن وان أخذ ما أخذه بالتراضي لكن علمت مافيه (قوله وأقبح من ذلك السلم الخ) أي أقبح من بيع المعاملة المذكورة ما يفعله بعض الناس من دفع دراهم سلما على حنطة أو نحوها الى أهل القرى ، بحيث يؤدي ذلك الى خراب القرية ، لأنه يجعل الثمن قليلا جدا ، فيكون اضراره أكثر من اضرار البيع بالمعاملة الزائدة عن الأمر السلطاني ، فيظهر أن المناسب أيضا ورود أمر سلطاني بذلك ليعزر من يخالفه ، وظاهره أن لم يرد بذلك أمر ".

والله سبحانه أعلم . (۵/ ۱۶۸، ۱۲۸)

مذکورہ بالا عبارات سے جہاں حیلہ کا جواز ثابت ہو رہا ہے وہاں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس طرح کے جائز حیلہ پر مشتمل معاملات کسی دور میں باقاعدہ اسلامی سلطنت کے نظام کا حصہ رہے ہیں، اور ان کو علماءِ وقت نے نہ صرف جائز قرار دیا بلکہ باقاعدہ حکومتی نظام میں شامل ہونے پر بھی کوئی اعتراض نہیں کیا، ورنہ ایسے معاملات کے فاسد ہونے کا حکم لگا کر ایسا معاملہ کرنے والوں کو واجب التعزیر قرار دیتے، جبکہ عبارات سے بالکل واضح ہے کہ امر سلطانی کی مخالفت پر تو تعزیر کا حکم دیا گیا، مگر معاملہ کو فاسد نہیں کہا گیا اور نہ ہی اس پر کوئی سرزنش کی گئی، لہٰذا کہا جا سکتا ہے کہ کسی اجتماعی ضرورت یا مصلحت کی خاطر جائز حیلوں کو نظام کا حصہ بنانے کی شرعاً نہ صرف گنجائش ہے بلکہ اگر حیلہ اختیار کیے بغیر اُمتِ مسلمہ کے کسی بڑی معصیت میں مبتلا ہونے کا خطرہ ہو تو ایسی صورت میں جائز حیلہ کو حصہ نظام بنانا ضروری ہوگا۔

ملاحظہ:

واضح ہو کہ درج بالا عبارات میں قلب الدین کا جو مسئلہ مذکور ہے، فقہاء نے اگرچہ اس کی اجازت دی ہے، لیکن مروّجہ غیر سودی بینکوں میں ہمارے علم کی حد تک شریعہ بورڈ کی طرف سے اس کی اجازت نہیں دی جاتی، چنانچہ آج کل غیر سودی بینکوں میں ایسی کسی صورت پر عمل نہیں ہوتا جس میں قرض پر اضافے کے لیے کوئی عقد کیا جاتا ہو جس کی وجہ سے پہلے سے واجب الاداء قرض کی مقدار بڑھ جاتی ہو، مگر اس کے باوجود کہ بینکوں میں ایک مرتبہ کوئی قیمت طے ہونے کے بعد اس میں اضافے کی کوئی صورت زیرِ عمل نہیں، درج بالا عبارات کو نقل کرنے کا مقصد صرف یہ بتانا ہے کہ فقہاء کے ہاں معاملات میں وسعت کی حدود کیا ہیں؟

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اکابر کے فتاویٰ میں سود کا جائز متبادل:

امداد الفتاویٰ ۳/۲/۷ اپر مذکور سود سے بچنے کے متعلق ایک سوال کا خلاصہ اور جواب بلفظہ پیش خدمت ہے۔

خلاصہ سوال:

ایک شخص نے بمبئی سے مال منگوانے کی مختلف صورتیں ذکر کر کے صرف اس صورت کو اپنے لیے ممکن قرار دیا کہ بذریعہ وی پی مال منگوالیا جائے، کیونکہ اس صورت میں کوئی تجارتی خدشہ نہیں، اس لیے کہ مال موصول ہونے پر دام دینے پڑتے ہیں اور واپس کرنے کا اختیار بھی باقی رہتا ہے، مگر اس صورت میں ایک مد سود کی بھی ہوتی ہے وہ اس طرح کہ دلال یا تو قرض لے کر یا اپنے پاس سے مال روانہ کرتے ہیں اور اس روپے پر سود لگا لیتے ہیں، جبکہ آج کل علی العموم جس قدر بڑی تجارتیں ہیں ان میں ضرور سود دینا پڑتا ہے اور بجز ترک تجارت کے سود سے بچنے کی اور کوئی صورت نہیں تو کیا اس صورت میں بوجہ عمومِ بلوی اس طرح سود دینا جائز ہوگا؟

جواب:

عموم بلوی حلال وحرام میں مؤثر نہیں ہوتا، محض اس وجہ سے دینا جائز نہیں ہوسکتا۔ اگر ایسا حیلہ کیا جاوے کہ دلال کو سمجھا دیا جاوے کہ ہم کو بجائے سود کے عنوان سے اطلاع دینے کے اس عنوان سے لکھا کرے کہ ہم اصل ثمن میں اس قدر زیادت کرتے ہیں اور یہ تاجر اس کو قبول کر لیا کرے، تو اس میں جواز کی گنجائش ہے، کیونکہ بعد تمام عقد کے زیادتی فی الثمن بتراضی متعاقدین جائز ہے، مگر شرط اس میں یہ ہے کہ دلال مال خرید کر اس تاجر کے ہاتھ فروخت کیا کرے۔ انتہی ......

تتمہ سوال بالا:

حیلہ مذکورہ فی الجواب پر بظاہر یہ شبہ ہوسکتا ہے کہ صرف وصفِ عنوانی یعنی لفظ سود کو ترک کر دینے سے جواز کی گنجائش ہے، کیونکہ بحکم انما الاعمال بالنیات اس کی حقیقت تو سود ہی ہے اور اسی اصل کی بناء پر سقوط زکوٰۃ میں حیلہ ہبہ مردود قرار دیا ہے اور یہ حیلہ بھی قریب قریب اسی کی نظیر ہے، کیونکہ یہ بھی ازالہ حق اللہ ہے اور وہ بھی، اس شبہ کا کیا جواب ہے؟

جواب عن التتمہ:

یہ حیلہ بمجبوری کیا گیا ہے اور اس میں کسی غرض شارع کا ابطال لازم نہیں آتا، کیونکہ حرمتِ سود کی صورتیں ہزاروں اب بھی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

باقی ہیں جن میں کوئی حیلہ نہیں چلتا۔ بخلاف حیلہ اسقاط زکوٰۃ کے کہ اول تو وہاں کوئی اضطرار نہیں، دوسرے اس میں غرض شارع کا ابطال لازم آتا ہے، کیونکہ اگر سب ایسا کرنے لگیں تو گویا شارع علیہ السلام کا اہل اموال پر زکوٰۃ کا فرض کرنا ہی لغو ہو جاتا ہے، اور فرضیت زکوٰۃ کی کوئی صورت ہی نہ رہے گی باوجود اہل نصاب کے پائے جانے کے، یہ غرض تو متعلق تشریع کے ہے، دوسری غرض یہ باطل ہوگی کہ مقصود زکوٰۃ سے اغناء مسکین ہے، اس کی نوبت نہ آوے گی، یہ متعلق غایت تشریع کے ہے ۔

(فشتان ما بينهما) . (امداد الفتاویٰ : ۳/ ۱۷۲).

مذکورہ بالا سوال و جواب سے بھی نہ صرف یہ معلوم ہورہا ہے کہ بوقت مجبوری کسی غرض شارع کے ابطال کے بغیر سود سے بچنے کے لیے جائز حیلہ اختیار کیا جاسکتا ہے، بلکہ غور کرنے سے یہ بھی سمجھ میں آتا ہے کہ اس طرح کے حیلہ کو بڑے پیمانے پر کی جانے والی تجارتوں کے لیے باقاعدہ ایک مستقل طریقہ کے طور پر بھی اختیار کیا جاسکتا ہے، اس لیے کہ جواب مذکور ایسے سوال پر دیا گیا ہے کہ جس میں واضح طور پر مذکور ہے کہ " آج کل علی العموم آج کل علی العموم جس قدر بڑی بڑی تجارتیں ہیں ان میں ضرور سود دینا پڑتا ہے اور کوئی صورت بجز ترک تجارت اس سے مفر کی نہیں ہے " ۔

مدارس میں مروّج حیلہ تملیک:

علاوہ ازیں کسی جائز حیلہ کو مستقل نظام کے طور پر اختیار کرنے کے جواز پر ایک عام فہم اور واضح مثال عصر حاضر کے تقریباً تمام جامعات و مدارس دینیہ میں رائج حیلہ تملیک کی ہے، ظاہر ہے کہ حیلہ تملیک کو امتِ مسلمہ کی ایک اجتماعی اور بڑی ضرورت (تعلیم و تبلیغ اور اصلاحِ احوال) کو پورا کرنے کے لیے باقاعدہ نظام میں داخل کیا گیا ہے، کیونکہ اگر اس کی گنجائش نہ دی جائے تو پھر حکومت اسلامیہ نہ ہونے کی وجہ سے علومِ شرعیہ کی اشاعت اور تبلیغ دین کے باب میں ایک ناقابل تلافی نقصان کا شدید خطرہ پیدا ہوگا جس کے بھیانک نتائج عوام الناس کے کفر و الحاد اور گمراہی و نفس پرستی کی صورت میں ظاہر ہوں گے۔

بالکل اسی طرح کوئی ادارہ یا بینک اگر عوام الناس کو سود جیسی عظیم لعنت اور کبیرہ گناہ سے بچانے کے لیے مستند علماء دین کی واقعی نگرانی میں شرعی حدود کے اندر رہتے ہوئے کسی حیلہ کو بطورِ نظام اختیار کرلے تو ہمارے خیال کے مطابق اس میں بھی کوئی حرج نہیں سمجھنا چاہیے۔ " والا فما الفرق بينهما ؟ " .

خلاصہ یہ ہے کہ جہاں حیلہ کی ضرورت نہیں تو ایک لمحے کے لیے بھی اس کی گنجائش نہیں اور اگر ضرورت ہے تو جب تک ضرورت باقی ہے جواز کا حکم برقرار رہے گا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بینک میں رائج عقود کیا محض حیلے ہیں؟

رہی یہ بات کہ غیر سودی بینکوں میں رائج بعض عقود مثلاً مرابحہ مؤجلہ یا اجارہ وغیرہ محض ناجائز حیلوں کا مجموعہ ہیں یا ان کی حقیقت کچھ اور ہے تو اس بارہ میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ اولاً تو ان عقود کو علی الاطلاق حیلہ قرار دینا محل نظر ہے، اس لیے کہ سودی بینکوں میں رائج سودی قرض کے لین دین کے جائز متبادل کے طور پر غیر سودی بینکوں نے باقاعدہ شرعی تکییف کے ساتھ ایسے عقود کو اختیار کیا ہے جن میں ان تمام شرائط کا اعتبار کیا گیا ہے جو کسی بھی عقد کے صحیح ہونے کیلئے ضروری ہوتی ہے، اس لیے بلاشبہہ یہ کہا جاسکتا ہے۔ کہ غیر سودی بینکوں میں سودی بینکوں کی طرح سودی قرض کے لین دین کی صورت میں حاصل ہونے والی نقد سودی رقم کو محض ایک حیلہ سے غیر سودی بتانے کی کوئی ایسی کوشش نہیں کی جارہی کہ جس میں مقصد صرف اور صرف رقم کا تبادلہ ہے اور اس میں کوئی ایسا مقصد نہیں پایا جاتا جو کسی عقدِ شرعی سے حاصل ہوسکتا ہے کیونکہ مرابحۂ مؤجلہ وغیرہ وغیرہ غیر سودی بینکوں میں رائج عقود کی شرعی تکییت سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ عقود واقعی اثاثوں کی بنیاد پر انجام پاتے ہیں اور ان کے پس منظر میں جانبین کا مقصد محض نقد رقم کا لین دین نہیں ہوتا بلکہ فی الواقع دونوں کی حیثیت بائع مشتری یا موجر و مستاجر کی ہوتی ہے، لہٰذا اگر اس حقیقت واقعیہ کو پیش نظر رکھا جائے تو یقیناً نہ صرف ان عقود کو حیلہ کہنے کی ضرورت باقی رہتی ہے، بلکہ بلا تامل ان کا جواز تسلیم کرنے میں بھی شبہہ کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔

ثانیاً اگر نتیجہ کے اعتبار سے محض صوری مشاکلت اور مرابحہ وغیرہ کو عملی جامہ پہنانے کے لئے الزام وعدو التزام تصدق وغیرہ اُمور کا سہارا لینے کے پیش نظر علی سبیل التنز ل اس کو حیلہ ہی قرار دیا جائے تو بھی کہا جائے گا۔ کہ بلاشبہہ یہ حیلہ ایسا نہیں کہ جو ابطالِ حق یا ایصال الی الحرام کے لیے کیا گیا ہو، بلکہ یہ حدود شرع کے اندر رہتے ہوئے سود جیسی لعنت سے بچنے اور اموال کو محفوظ بنانے کے لیے اختیار کیا گیا ہے جس کے شرعاً محمود و مطلوب ہونے میں کوئی شک نہیں۔

......☆☆☆☆☆......

© rasailojaraid.com